۷۸۶

یا اللہ   حق وارث   یا محمد

مرقد شرافت پناہ

۱۳۸۳ھ

حیرت سخنداں مبشر غیب راہی ملک بقا مرد مسلک تسلیم عارف زمان

۱۳۸۳ھ   ۱۹۶۳ء

محب بارگاہ حیرت وارثی رح

گوہر ولایت مرقد ولی حق جو مونس اولیاء حیرت

۱۳۸۳ھ

جلوۂ حق راہی ملک بقا!

۱۳۸۳ھ

وفات ۲۸ جمادی الاول ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۳ء

یوم پنجشنبہ ۲ بج کر ۵۰ منٹ

۲۸ مرتبہ حج و زیارت روضۂ منورۂ نبویہ زاد اللہ شرفہ

وزواری کے بعد اس تربت میں آرام کیا

غم نصیب دوران سوگوار بیدار

میاں محمد اسحٰق وارثی ولد خادم الفقراء میاں محمد عبداللہ وارثی

جھنگ صدر، پنجاب.

یہ ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء کی بات ہے کہ مجھے حیرت وارثی اچانک ہی مل گئے۔ میں نے ان سے اپنا کوئی شعر تبرکاً لکھ دینے کی فرمائش کی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمائش کر دی کہ وہ پنجابی شعر مجھے لکھ دیں:

تری تجلیوں میں گم ہو چکا ہے حیرت   پائے کہاں سے تیرا حیرت زدہ ٹھکانہ

پہلے تو انھوں نے شاعروں کی طرح انکار کیا اور پھر میرے اصرار پر کہنے لگے کہ جو

ان کے جی میں آئے گا، لکھ دیں گے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے انھوں نے دو شعر موزوں کیے اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے دیے۔ شعر ملاحظہ ہوں:

تو دل سے ان پر نثار ہو جا زمانہ تجھ پر نثار ہوگا
رہ محبت کا ذرہ ذرہ تیرے لیے بے قرار ہوگا
نہ ڈھونڈو حیرت کا کوئی ٹھکانہ وہ اپنی حیرانیوں میں گم ہے
کسی کے در پر پڑا ہوا یا جمال زار و نزار ہوگا

حیرت کا مجموعۂ کلام عکس حیرت اور نقش حیرت کے عنوان سے چھپ چکا ہے۔ ان کا بیٹا ارشاد وارثی کراچی میں مقیم ہے اور اپنے والد کی یاد میں ماہنامہ الوارث نکال رہا ہے۔

ہندوستان شاہانہ مغلیہ کے عہد میں

سلاطینِ مغلیہ کا نظامِ حکومت، تعلیمی حالت، عدل و انصاف، ہندو مسلم تعلقات اور ہندوستان کی خوشحالی، صنعتی و تجارتی ترقی، یورپین اقوام کی آمد۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط، دولت مغلیہ کا زوال اور اس کے حقیقی اسباب پر مفصل طور سے بحث کی گئی ہے۔ یوں تو یہ ایک مستقل کتاب ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو "علماء ہند کا شاندار ماضی" کا مقدمہ خیال کرنا چاہیے۔

مصنف: حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ

تقطیع خورد ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۷۲۔ قیمت مجلد: -/12

مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

وشوا بھارتی یونیورسٹی کے فارسی عربی اور اردو مخطوطات

از جناب عبدالوہاب صاحب بدر بستوی، سنٹرل لائبریری، وشوا بھارتی یونیورسٹی شانتی نکیتن مغربی بنگال۔

میں زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ [1] اور اس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی موجود ہے۔

موصوف کی دیگر تصانیف:

۱۔ بہار عجم (لغت): یہ لغت مطبع قرآن السعدین دہلی سے طبع ہو چکی ہے۔ اور اس کا ایک خلاصہ مع حواشی مولوی جمیل احمد صاحب نے مرتب کیا جو سلطان المطابع لکھنؤ سے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں طبع ہوا ہے۔

۲۔ جواہر الحروف: یہ کتاب مطبع محمدی کانپور سے ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں چھپی ہے۔

۳۔ نوادر المصادر: یہ دہلی سے ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء میں طبع ہو چکی ہے۔ [2]

۴۔ بہار بوستان (شرح بوستان سعدی) یہ بھی جامۂ طباعت میں ملبوس ہو چکی ہے لیکن سال طباعت کا علم نہیں ہو سکا البتہ مطبوعہ صورت میں برائے فروخت منشی نولکشور کی ۱۹۳۴ء والی فہرست کتب کلاں میں ص ۳۵ پر ذکر ملتا ہے۔

مذکورہ تصانیف میں سب سے اہم اور نہایت ہی مستند و مشہور "بہار عجم" لغت ہے جو دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے اس کے مقدمہ میں مصنف نے اپنی اِس

---

[1] فہرست کتب قلمی خدا بخش لائبریری پٹنہ، جلد ۱۷: ص ۱۳۱۔ [2] فہرست کتب قلمی برٹش میوزیم، لندن، جلد ۲: ص ۵۰۲۔

لغت کے سلسلے میں چند اہم اطلاعات ذکر کی ہیں۔ افسوس کہ یہ کتاب سامنے نہیں ہے کہ اس سے کچھ اقتباس پیش کیا جا سکے۔ البتہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم (متوفیٰ ۱۹۵۳ء) نے مقدمۂ لغت کا جو مفہوم تحریر کیا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے:

"بہار طفولیت سے ۵۳ سال کی عمر تک فارسی زبان کی تحقیق و کاوش میں لگا رہا، بیس ۲۰ برس متصل اس نے لغت کی تالیف و ترتیب میں بسر کیے اور سات دفعہ خود اپنے ہاتھ سے مسودہ کا نٹ چھانٹ کر صاف کیا۔ یہ عمر کی آخری کمائی تھی اور اسی پر جان دی۔ بہار کے شاگرد منشی اندرمن[۱] نے آٹھویں دفعہ مرتب کیا اور خطبہ و خاتمہ لکھ کر شاہ عالم کے زمانہ میں ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء میں ختم کیا"[۲]

منشی ٹیک چند بہار دہلی کے کھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن ہی سے فارسی تعلیم شروع کی اور اس زبان کی تحصیل اور تحقیق میں اپنی عمر عزیز کے ترپن ۵۳ سال گزار دیے۔ دوران تعلیم و تحقیق اپنے وقت کے مشہور دانشوروں اور علماء و فضلاء کی صحبتوں سے پورے ذوق و شوق کے ساتھ استفادہ کیا۔ نیز مشہور فارسی شعراء کے دیوان و کلیات کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد اس زبان میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیت پیدا کر لی۔ جن علماء سے علمی استفادہ کیا ان میں سے شیخ مولانا ابوالخیر خیراللہ اور سراج الدین علی خاں آرزو (متوفی ۱۱۶۹ھ/۱۷۵۶ء) کو خصوصیت حاصل تھی۔ اول الذکر مولانا کو خیرالمدققین اور ثانی الذکر کو سراج المحققین کے مبارک لقب سے بہار نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

رقعات | از ملا عبدالرحمٰن جامی، صفحات ۲۶۳، کاتب اور تاریخ کتابت مذکور نہیں،

---

[۱] یہ صاحب علم شخص منشی ٹیک چند بہار کا شاگرد تھا۔ اصل وطن حصار (پنجاب) لیکن توطن شاہجہاں آباد (یو۔ پی) میں اختیار کر لیا تھا۔ (بحوالہ مقالات سلیمان حصہ اول: ص ۸۳-۸۴)۔

[۲] مقالات سلیمان، حصہ اول: ص ۷۳، ۷۴۔

کتابت خوشخط اور اوراق نسخہ بہت ہی اچھی حالت میں ہیں۔ صفحات ۱۶۹، ۱۸۰، تا ۱۸۴،
۱۹۱، ۱۹۲ بیاض ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نسخہ ناقص ہے۔

دیباچہ موجود ہے لیکن معلوم نہیں مولانا جامی نے کس مصلحت کے پیشِ نظر اپنے نام کا اظہار مناسب نہیں سمجھا اور اس سے بڑھ کر حیرت کاتب پر ہے کہ جنھوں نے نہ مصنف کا نام ذکر کیا اور نہ ہی اپنے نام اور تاریخ کتابت کی کوئی اطلاع بہم پہنچائی۔

جامی کے یہ رقعات فنِ انشاء پر ہیں، چنانچہ دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہر چند ایں کمینہ بر اسرار صناعتِ انشاء اطلاع نیافتہ و بر آثار منشیان فضیلت انتما بقدم اتباع نشتافتہ اما چوں بضرورت حکم وقت و اقتضاء حال رقعۂ چند در مخاطبۂ ارباب جاہ و جلال و اماجد بہ اصحاب فضل و کمال اتفاق افتادہ بود و بمعیار طبع سلیم و ذہن مستقیم بعضی از اجلۂ مخادیم تمام عیار می نمود، دریں اوراق جمع کردہ شد و ترتیب دادہ آمد شاید کہ بدیں وسیلہ بر خاطر مقبلی عبور افتد و خطور بر ضمیر صاحبدلی سرمایۂ جمعیت و حضور گردد"

جن اصحاب کو یہ رقعات لکھے گئے ان میں سے چند مخصوص مخاطبین حسب ذیل ہیں:

خواجہ عبد اللہ، شاہِ وقت، ارکانِ دولت، جواب مکتوب سلطنت شعاری حسن بیگ، جواب مکتوب ملک التجار بجانب ہند، بحضرت سلطان حسین مرزا، در جواب مکتوب شیخ نجم الدین، در جواب مکتوب سید نعمت اللہ ثانی، رقعہ بسید احمد لاری، عرضداشت بجہت حافظ شیرین شاہِ عراق۔ ان میں سے بعض مخاطبین کے نام متعدد رقعات میں اور کچھ رقعات میں اپنی بعض تصانیف کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

ان رقعات کا ایک انتخاب طلبہ کے لیے ۱۸۱۱ء میں کلکتہ سے طبع ہو چکا ہے۔[1]

---

[1] فہرست مخطوطات فارسی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ)، جلد اول: ص ۲۷۲

نیز قلمی صورت میں گجرات ودیا سبھا احمد آباد اور مطبوعہ صورت میں مدرسہ عالیہ کلکتہ وکتب خانہ آصفیہ سرکار عالی (حیدر آباد) اور خود وشو بھارتی لائبریری میں بھی موجود ہے[1]

حیاتِ جامی: خراسان کے ایک قصبہ جام کے مضافاتی مقام خرجرد میں ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء پیدا ہوئے اور بمقام ہراۃ ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء میں وفات پائی۔ موصوف کے والد نظام الدین دشتی اور دادا شمس الدین دشتی دراصل اصفہان کے محلہ دشت کے باشندے تھے لیکن بعد میں ہجرت کر کے مقام خرجرد میں آ بسے تھے۔ محمد تقی بہار (متوفی ۱۳۳۰ھ) نے لکھا ہے کہ جامی کا مقام پیدائش اب "لنگر" کے نام سے مشہور ہے[2] یہ جگہ مقام "تربتِ شیخ جام" کی جانب جانے والے روڈ پر واقع ہے۔ اور "تربتِ شیخ جام" کو اب صرف "جام" کہا جاتا ہے[3]

مولانا جامی کم عمری ہی میں اپنے والد کے ہمراہ ہرات اور پھر سمرقند تحصیل علم کے لیے چلے گئے کیونکہ ان دنوں یہ دونوں مقامات علوم اسلامی اور ادبیاتِ ایرانی کے لیے بہت مشہور تھے۔ خواجہ بہاء الدین نثاری بخاری کی تحریر کے مطابق صرف ونحو کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی[4] اور ہرات وسمرقند کے دورانِ قیام مذہب، تاریخ اور ادب کے علوم میں مشہور علماءِ زمان کی خدمات بابرکات میں حاضر ہوکر کامل مہارت پیدا کی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ تصوف کی جانب مائل ہونے لگے، چنانچہ اس راہ کے ایسے راہی اور طریقت ومعرفت کے اس حد تک حقیقت شناس ہوئے کہ اپنے پیر ومرشد شیخ سعد الدین کاشغری

---

[1] ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری (کلکتہ) میں بھی ہے۔

[2] سبک شناسی (تاریخ تطور نثر فارسی)، جلد سوم: ص ۲۲۵۔ [3] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (نیا ایڈیشن)، جلد چہارم: ص ۱۰۷۳۔ [4] مذکرِ احباب: ص ۶۵۔ [5] تذکرۃ الشعراء: ص ۴۸۴۔

[illegible] کی وفات کے بعد شیخ موصوف کی مسندِ خلافت کی زینت بن گئے۔ مولانا جامی
ہمعصر دولت شاہ سمرقندی (متوفی ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء) لکھتے ہیں:

"بندگیِ مولانا مدتی در قدم مولانا سعد الملۃ والدین (محمد الکاشغری) بسر برد و خدمات پسندیدہ نمود و ریاضت و مجاہداتِ فقر و سلوک حاصل ساخت و ببرکت خدمت میمون آن بزرگوار مولانا را مقام معالی در تصوف و فقر پیدا شد و بعد از روزگار مولانا محمد الکاشغری خدمت مولانا جامی خلف الصدق و جانشین مسندِ طریق آن بزرگوار است"[1]

ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی تحریر کے مطابق جامی کا مرتبہ کتابی علم کے بمقابل در معانیت در تصوف میں امتیازِ خاص کا حامل تھا، ڈاکٹر موصوف رقمطراز ہیں:

"امتیازِ خاص جامی از مقام و مرتبتی است کہ وی در عالم تصوف و عرفان احراز نمودہ و خلیفہ و قطب پیروان آن مذہب بودہ"[2]

یقیناً تصوف میں جامی کو مقامِ بلند حاصل تھا لیکن دیگر مختلف النوع علوم و موضوعات میں بھی موصوف کی امتیازی حیثیت کچھ کم نہیں تھی جس کی شہادت وہ متعدد تصانیف ہیں جو آج علمی دنیا کے اکثر مقامات، کتب خانوں اور ذاتی طور پر اصحاب ذوق کے گھروں میں اصل متن، ترجموں اور انتخابات کی صورت میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ہند و پاکستان اور ترکی و ایران کی علمی درسگاہوں میں بطور نصاب شامل ہو کر جامی کے علمی کمالات کا فیض بخش رہی ہیں۔ خود ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی سطور ذیل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

"تاثیرِ افکار و اشعارِ جامی در ہندوستان و مخصوصاً در افکار و ادبیات عثمانی بسیار بود حتّیٰ سلاطینِ عثمانی مانندِ سلطان محمد فاتح (عہد حکومت

---

[1] تذکرۃ الشعراء: ص ۴۸۴ [2] تاریخ ادبیات ایران: ص ۳۵۱۔

۱۵۰۱ء - تا ۸۸۶ھ ۱۴۸۱ء) و پسرش سلطان بایزید ثانی (عہد حکومت ۸۸۶ھ ۱۴۸۱ء تا ۹۱۸ھ ۱۵۱۲ء) توجہ و ارادت خاصی نسبت با و داشتند و با وی مکاتبہ و مراسلہ می کردند۔ در بین شعرائی عثمانی عدۂ ای سبک و عقاید جامی را تتبع و تقلید کردہ و اولین بنائے ادبیات عثمانی را روی اساس ذوق و شیوۂ ایرانی استوار نمودند[۱]

جامی اپنی علمی اور روحانی خوبیوں کے طفیل ہمعصر عوام، علماء، اور امراء و حکمراں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے اور ہر طبقے کے افراد سے اعزاز حاصل کیا۔ دولت شاہ لکھتے ہیں:

"سلاطین اطراف عالم از دعا و ہمت بندگی[۲] مولانا استفادہ می گیرند و فضلای اقالیم بمجلس رفیع او توسل می جویند"

شاہانِ وقت، امراء اور وزراء وغیرہ کی جانب سے ازروئے عقیدت و نیاز مندی جامی کی مقدس خدمت میں بصورت تحفہ بے شمار نقود و اسباب تعیش بھی ہوتے رہتے تھے جو جامی کی وفات تک بعد بھی اچھا خاصہ سرمایہ جمع ہو چکا تھا کیونکہ مولانا موصوف نے اپنی طبع فطری اور حیاتِ درویشانہ کی بنا پر غالباً ان آئے ہوئے تحائف اور لوازمات عیش دنیوی سے ممکن حد تک احتراز کیا ہوگا۔ چنانچہ مولانا کے فرزند ارجمند خواجہ ضیاء الدین یوسف نے جامی کی وفات کے بعد وہ تمام جمع شدہ سرمایہ غرباء اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا۔ جس کے متعلق خواجہ بہاء الدین نثاری بخاری تحریر فرماتے ہیں:

"سلاطینِ عظام و خواقینِ کرام بحضرت ملا ازروئ احترام نیازمندی تمام نمودہ تحف و ہدایا می فرستادہ اند بدیں سبب اقمشہ و طلاء آلات بسیار و نقود بے شمار جمع گردیدہ بود و مخدوم زادہ (خواجہ ضیاء الدین

۱؎ تاریخ ادبیاتِ ایران: ص ۳۵۲۔ ۲؎ تذکرۃ الشعراء: ص ۴۸۴۔